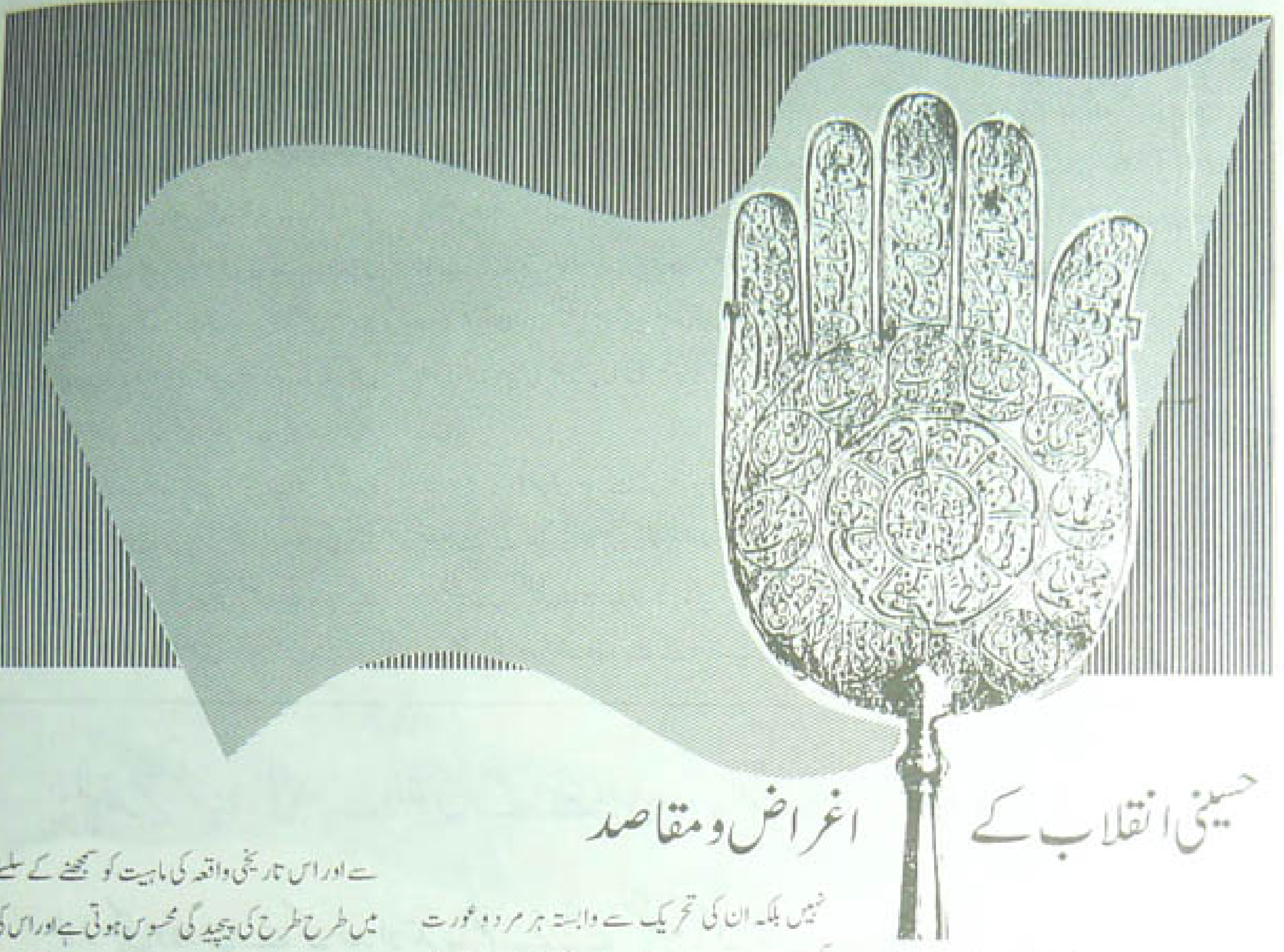

حسینی انقلاب کے اغراض و مقاصد

...ہو محرم یعنی تلوار پر خون اور ظالم پر مظلوم کی فتح و کامیابی کا مہینہ قریب آیا ہے۔ یہ عزاداری، سوگواری اور کربلا کے شہیدوں کے رنج و مصائب سے تذکرہ کا مہینہ ہے۔ شہداء کی یاد میں نوحہ ماتم اور عزاداری و سینہ زنی در حقیقت اسلام اور مسلمانوں کی بقاء و سربلندی کی ضمانت ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔"

اسلام کا کوئی بھی عمل، فعل عبث اور بے مقصد نہیں رہا ہے لہٰذا یہ سوگواری و سینہ زنی بھی مختلف النوع اغراض و مقاصد کی حامل ہے جنہوں نے خداوند عالم کے پسندیدہ ترین دین مبین اسلام کی بقاء واستقامت کی خاطر کربلا کے میدان میں دشمن کی تلواروں کو گلے لگایا۔ جی ہاں! فقط حسین مظلوم ہی نہیں بلکہ ان کی تحریک سے وابستہ ہر مرد و عورت کمسن و سن رسیدہ اور شہید و اسیر کی ایک ہی خواہش تھی کہ نانا کا دین بچ جائے چاہے سارا سرمایۂ حیات پامال ہو جائے۔ ماہ عزا کی مناسبت سے درج ذیل مقالہ میں حسینی تحریک کے مقاصد و محرکات کا اجمالی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ حسین مظلومؑ کے سوگوار ان مقاصد عالیہ کی طرف بھی متوجہ رہیں جن کی وجہ سے تاریخ بشریت کا یہ دردناک ترین واقعہ یعنی واقعہ کربلا رونما ہوا جس نے آزادی و خود اعتمادی کا ایسا پیغام دیا ہے جو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے:

حسینی تحریک میں مختلف اسباب و عوامل دکھائی دیتے ہیں اور مختلف اسباب کی مداخلت و موجودگی کی وجہ سے ہی یہ واقعہ اگرچہ تاریخی اعتبار سے زیادہ تفصیل کا حامل نہیں ہے لیکن تفسیری اعتبار سے اور اس تاریخی واقعہ کی ماہیت کو سمجھنے کے سلسلے میں طرح طرح کی پیچیدگی محسوس ہوتی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کی بہت سی تفسیریں موجود ہیں اور کبھی کبھی اس عظیم واقعہ سے ناجائز فائدے بھی اٹھائے گئے ہیں۔ درحقیقت اس داستان کی پیچیدگی ان عناصر کی وجہ سے ہے جو واقعہ کے رونما ہونے میں موثر رہے ہیں۔ ہمیں اس واقعہ میں بہت سے مسائل دکھائی دیتے ہیں۔ ایک جگہ امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت اور امام حسینؑ کے ذریعہ انکار بیعت کی بات ملتی ہے۔ دوسری جگہ اہل کوفہ کی طرف سے امام حسینؑ کو بلانے اور امام حسینؑ کے ذریعہ ان کی دعوت کو قبول کرنے کی بات کہی گئی۔ دوسری جگہ طلب بیعت، تردید مطالبۂ بیعت، اہل کوفہ کی دعوت اور اس کی قبولیت کی طرف ذرہ برابر توجہ کئے بغیر اس دور کے حالات اور حکومت وقت کی بے راہ روی وبد عنوانیوں پر تنقید کرتے ہوئے امام حسینؑ اس بات کا

تذکرہ کرتے ہیں کہ اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا تھا اسے حلال اور جن چیزوں کو حلال کہا تھا انہیں حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سکوت وخاموشی اختیار نہ کرے۔ اس جگہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ نہ امام حسینؑ بیعت کا تذکرہ کرتے ہیں اور نہ ہی اہل کوفہ کی دعوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی نہ اس بیعت کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا یزید مطالبہ کرتا تھا اور نہ اس بیعت کا ذکر کرتے ہیں جس کا اظہار اہل کوفہ نے اپنے دعوت نامہ میں کیا تھا۔ پس غور طلب بات یہ ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ کیا یہ مسئلہ "مسئلہ بیعت" تھا؟ کیا یہ مسئلہ "مسئلہ دعوت" تھا؟ یا یہ مسئلہ "منکرات کی ترویج واشاعت کے خلاف امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کا مسئلہ تھا؟ آخر ان میں سے کون سا مسئلہ تھا اور اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہم کن چیزوں کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں؟ اور سچ پوچھئے تو حقیقت تو یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے رونما ہونے میں یہ تمام اسباب وعوامل کارفرما تھے اور امام حسین علیہ السلام نے ان تمام اسباب وعوامل کے سلسلے میں اپنے ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے۔

ان اسباب وعوامل میں ایک سبب یہ تھا کہ معاویہ کی وفات کے فوراً بعد یزید ابن معاویہ یہ فرمان جاری کرتا ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو حسین ابن علی (علیہ السلام) سے بیعت لے لی جائے۔ امام حسینؑ اس مطالبہ بیعت کو ٹھکرا دیتے ہیں لیکن یزیدی حکومت ہر قیمت پر حسینؑ سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور امام حسینؑ بڑی سختی سے یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر وہ اس بات کے لئے ہرگز راضی نہیں ہوتے ہیں کہ یزید کی بیعت قبول کرلیں لہٰذا اسی وجہ سے شدید مخالفت اور مبارزہ وصف آرائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

حسینی انقلاب کے سلسلے میں دوسری وجہ کا سبب اہل کوفہ کی جانب سے امام حسینؑ کو مدعو کرنا ہے تاکہ وہ لوگ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرسکیں۔ یعنی ایک طرف سے یزید اپنی بیعت کے لئے اصرار کرتا ہے اور دوسری طرف سے کوفہ والے خود امام حسینؑ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لئے مصر ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں امام حسینؑ مکہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مکہ میں ایک دو مہینہ قیام کے بعد کوفہ والوں کو اس وقت کے حالات کی اطلاع ملتی ہے چنانچہ وہ لوگ امام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں جبکہ ہم لوگ یہ سنا کرتے ہیں اور نصاب کی بعض کتابوں میں بھی یہ لکھا جاتا ہے کہ اہل کوفہ کی دعوت حسینی تحریک کا سبب نہیں ہے بلکہ امام کی تحریک اہل کوفہ کی دعوت کا سبب ہے۔ جی ہاں! ایسا نہیں تھا کہ اہل کوفہ کی دعوت کی وجہ سے امام حسینؑ نے انقلاب برپا کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب حسینؑ مظلوم نے یزیدی حکومت کے مطالبہ بیعت کو ٹھکرانے کے بعد منکرات کی ترویج کی اعلانیہ مخالفت کا مظاہرہ کیا اور کوفے والوں کو حسینی انقلاب کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے اپنے یہاں کے حالات کو بہتر سمجھتے ہوئے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ انہیں کوفہ بلا لیا جائے۔

واقعہ کربلا اور حسینی انقلاب کے رونما ہونے کا تیسرا اور اہم ترین سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ جس کا ذکر خود امام حسینؑ نے مکمل وضاحت کے ساتھ یزید کے مطالبہ بیعت اور اہل کوفہ کے دعوت نامہ کی طرف اشارہ کئے بغیر کئی مرتبہ کیا ہے۔ اور اپنے ان بیانات میں اس بات پر تاکید فرمائی ہے کہ واقعہ کربلا کے رونما ہونے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

قدر وقیمت اور حیثیت واہمیت کے اعتبار سے تینوں اسباب وعوامل ایک ہی جیسے ہیں اور تینوں اپنی معین حد تک اس تحریک کی ارزش واہمیت میں اضافہ کا باعث ہیں البتہ اہل کوفہ کی طرف سے امام حسینؑ کو مدعو کرنے کی بات زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتی ہے بلکہ نہایت سادہ اور معمولی بات دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس کا حقیقی تجزیہ کرنے کے لئے حسینؑ کے اعمال کو کسوٹی بنانا ہوگا اور تمام معاملات کو اسی کسوٹی کی مدد سے پرکھنا ہوگا۔ اس سبب کی وجہ سے ایک طاقتور علاقہ اپنی آمادگی کا اعلان کرتا ہے۔ قاعدہ حد اکثر کے مطابق اس کی وجہ سے پچاس فیصد کامیابی کی امید موجود تھی اور کوئی بھی شخص اس سے زیادہ کامیابی کی امید نہیں رکھتا تھا۔ جب اہل کوفہ نے اتفاق کا مظاہرہ کیا اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ ان لوگوں نے اتفاق رائے سے بھی کام لیا اور وہ اپنے وعدہ پر ثابت قدم بھی رہ گئے ہوتے اور خیانت نہ کی ہوتی تو بھی اس بات کو یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ امام حسینؑ اپنی تحریک میں سو فیصد کامیابی حاصل کرلیتے

قدر وقیمت اور حیثیت واہمیت کے اعتبار سے تینوں اسباب وعوامل ایک ہی جیسے اور تینوں اپنی معین حد تک اس تحریک کی ارزش واہمیت میں اضافہ کا باعث ہیں البتہ اہل کوفہ کی طرف سے امام حسینؑ کو مدعو کرنے کی بات زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتی ہے بلکہ نہایت سادہ اور معمولی بات دکھائی دیتی ہے۔

کیونکہ یزیدی لشکر میں صرف اہل کوفہ ہی نہیں تھے۔ اگر صرف اہل شام کو جو عرصہ دراز سے ابوسفیان کی اولاد کے حق میں وفادار تھے نگاہ میں رکھا جائے تو کامیابی کا امکان پچاس فیصد سے بھی کم ہو جاتا ہے (یہ اہل شام ہی تو تھے جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں صفین میں کوفہ والوں کے خلاف نبرد آزمائی کی اور ان لوگوں نے اٹھارہ مہینے تک کوفہ والوں کے خلاف جنگ کی۔ اس جنگ کے دوران جانی نقصانات کے باوجود شام والے کوفہ والوں کا مقابلہ کرتے رہے) اگر اس صورتحال کو نگاہ میں رکھا جائے تو حسینی تحریک کی کامیابی کے امکانات چالیس بلکہ تیس فیصد ہی رہ جاتے ہیں۔ ایک علاقے کے لوگوں نے اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو امام ان لوگوں کی دعوت کا مثبت جواب دیتے ہیں پس ایک معین حد تک اس دعوت کی اہمیت ضرور ہے اور وہ حد معمولی سطح سے آگے نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے عام لوگ بھی ان حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے مثبت جواب ہی دیں۔ لیکن مطالبہ بیعت اور امام حسینؑ کی طرف سے انکار بیعت ایک ایسا سبب ہے جو تحریک کے ابتدائی مرحلہ سے موجود اور واضح تھا اور اس کی اہمیت اہل کوفہ کی دعوت سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ یہ حسینی تحریک کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ لوگوں نے ابھی اس تحریک کی حمایت وطرفداری کا اظہار و اعلان نہیں کیا ہے اور کسی طرف سے حمایت وطرفداری کی پیشکش بھی نہیں کی گئی ہے۔ ایک ایسی جابر و طاقتور حکومت جس نے معاویہ کی گزشتہ بیس سالہ حکومت کے دوران سختی اور دباؤ کی سیاست کو اس کی آخری منزلوں تک پہونچا دیا تھا خصوصاً معاویہ نے اپنی حکومت کے آخری دس برسوں کے دوران ایسی سختی کا مظاہرہ کیا کہ وہ جس آدمی سے جو کام لینا چاہتا تھا بڑی آسانی سے لے لیا کرتا تھا۔ اس نے عوام الناس پر اپنا ایسا رعب و دبدبہ قائم کر لیا تھا کہ اس کی مملکت کے ہر گوشہ میں یہاں تک کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں بھی خطبہ نماز جمعہ میں حضرت علی علیہ السلام پر جنہیں رئیس الاشہاد کہا جاتا تھا لوگ اعلانیہ تبرا کیا کرتے تھے اور اس نازیبا حرکت کو عبادتی عمل سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ معاویہ اور اس کے اردگرد جمع رہنے والے لوگوں نے بیت المال پر قبضہ جما رکھا تھا اور اس کو اپنی شہرت و نام و نمود حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا کرتے تھے۔ دور حاضر کی اصطلاح میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں علماء اور روحانی شخصیتوں کو حکومت نے اپنا ملازم بنا رکھا تھا۔ ملک کی پروپگنڈہ مشینری اور ابلاغ عامہ کے تمام وسائل کو پوری طرح خرید لیا گیا تھا اور پیغمبر اکرمؐ کی حدیثوں میں حکومت کی مرضی کے مطابق تبدیلی کا بازار گرم تھا اور احادیث نبوی میں اعلانیہ طور پر ناموں کو تبدیل کیا جارہا تھا اور حضرت علیؑ کے دشمنوں کی مدح میں حدیثیں گڑھی جا رہی تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے ثمرۃ ابن جندب نے آٹھ ہزار مثقال سونے کے بدلے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ایک حدیث گڑھی ان حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اموی دور حکومت میں تاریخ میں پھیر بدل کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ان تمام خیانتوں کے باوجود اگر کچھ تاریخی حقیقت باقی رہ گئی تو در حقیقت یہ حسینی تحریک جیسے واقعات کا کرشمہ تھا ورنہ اگر امام حسین علیہ السلام نے بھی ان خیانتوں اور غیر اسلامی حرکتوں کے خلاف سکوت اور خاموشی اختیار کرلی ہوتی تو آج تاریخ کا رنگ و روپ بالکل ہی بدل چکا تھا۔ پس اس پہلو کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں اہل کوفہ کی دعوت والے سبب کو قدرے زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

حسینی انقلاب کے رونما ہونے کے سلسلے میں تیسرا سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا جس کے بارے میں خود امام حسین علیہ السلام جگہ جگہ پر نہایت واضح انداز میں اعلان کرتے ہیں اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی احادیث کی روشنی میں اپنے مقصد کا اعلانیہ اظہار بھی کرتے ہیں اور مطالبہ بیعت واہل کوفہ کی دعوت کا ذکر کئے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ ایسا سبب ہے جو حسینی تحریک کی قدر و قیمت اور ارزش و اہمیت میں کئی گنا اضافہ کردیتا ہے اور یہی وہ سبب ہے جس نے اس حسینی تحریک میں ہمیشہ باقی رہنے کی صلاحیت پیدا

> دوسری جگہ طلب بیعت، تردید مطالبہ بیعت، اہل کوفہ کی دعوت اور اس کی قبولیت کی طرف ذرہ برابر توجہ کئے بغیر اس دور کے حالات اور حکومت وقت کی بے راہ روی و بدعنوانیوں پر تنقید کرتے ہوئے امام حسینؑ اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا تھا اسے حلال اور جن چیزوں کو حلال کہا تھا انہیں حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

کردی اور یہ واقعہ زندۂ جاوید صفات کا حامل ہو گیا اور یہ رہتی دنیا تک کے لئے ایک سبق آموز اور یادگار واقعہ بن گیا۔ اگرچہ اس حسینی تحریک کے سلسلے میں تمام اسباب و عوامل سبق آموز ہیں لیکن اس میں

> دوسری طرف اگر ہم دوسرے سبب یعنی مطالبہ بیعت کو حسینی انقلاب کا بنیادی سبب تسلیم کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ نہ کیا گیا ہوتا تو حکومت وقت سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ وہ نہایت پر سکون اور آسودہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

سبق آموزی کی صلاحیت کچھ زیادہ ہے کیونکہ یہ سبب نہ دعوت پر منحصر ہے اور نہ مطالبہ بیعت پر۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اہل کوفہ نے امام حسینؑ کو دعوت نامہ نہ بھیجا ہوتا اور یزید نے ان سے بیعت کا مطالبہ نہ کیا ہوتا تو بھی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے اپنی تحریک کے ساتھ صدائے اعتراض و احتجاج ضرور بلند کرتے اور ہرگز خاموش نہ بیٹھے رہتے۔ بہر حال موقف میں بہت فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں کوفے والوں نے امام کو اپنے یہاں مدعو کیا اور اس طرح کامیابی کی زمین تقریباً پچاس فیصد ہموار ہو گئی۔ دوسرے مرحلہ میں امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ مدینہ سے کوچ کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور مطالبہ بیعت کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں تم لوگوں کی بیعت کے لئے قطعی آمادہ نہیں ہوں" اگر ہم اہل کوفہ کی دعوت کو حسینی تحریک کا بنیادی سبب تسلیم کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوفہ والوں نے انہیں دعوت نامہ ارسال نہ کیا ہوتا تو امام اپنی تحریک کی راہ میں پیش قدم نہ ہوتے اور اس طرح حسینی انقلاب بھی رونما نہ ہوتا۔ دوسری طرف اگر ہم دوسرے سبب یعنی مطالبہ بیعت کو حسینی انقلاب کا بنیادی سبب تسلیم کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ نہ کیا گیا ہوتا تو حکومت وقت سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ وہ نہایت پر سکون اور آسودہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ انقلاب برپا کرتے اور سرزمین کربلا پر یہ افسوسناک واقعہ رونما ہوتا۔

لیکن اپنے تیسرے سبب کی وجہ سے حسینؑ ایک معترض و ناقد اور انقلابی و اجتماعی شخصیت کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ اور دنیا والے انہیں ایک ایسے انقلابی کے روپ میں دیکھتے ہیں جو مثبت انسانی صفات کا حامل و طرفدار اور فاسد و غیر انسانی طاقتوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتا۔ اس تیسرے اور اہم ترین سبب کی موجودگی میں گزشتہ دو اسباب و عوامل کی موجودگی بھی ضروری نہیں رہ جاتی۔ صورتحال کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے جیسے ہر جگہ فاسد حرکتوں اور اخلاقی بد عنوانیوں کا بول بالا دکھائی دیتا ہے' حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال قرار دیا جا چکا ہے' مسلمانوں کا بیت المال نالائق اور فاسد افراد کے ہاتھوں میں جا چکا ہے اور اسے خوشنودی خداوند عالم کی راہ میں خرچ نہیں کیا جا رہا ہے۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ "جو شخص ایسے حالات کا مشاہدہ کرے "**فلم یغیر علیه بفعل ولا قول**" اور ان حالات کی تبدیلی کے لئے کوئی عمل انجام نہ دے اور اس کے خلاف صدائے اعتراض و احتجاج بلند نہ کرے" **کان حقا علی الله ان یدخله مدخله**" تو قانون الٰہی کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ خداوند عالم ایسے شخص کو اس جگہ لے جائے گا جو ظالموں ستمگاروں اور دین میں الٹ پھیر کرنے والوں کے لئے مخصوص ہے یعنی اس کا شمار بھی انہیں ظالموں اور ستمگاروں میں ہو گا۔ امام حسینؑ اپنے جد کے ارشاد عالیہ کی روشنی میں حالات کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسے حالات میں جو شخص جان بوجھ کر خاموشی اختیار کرتا ہے اور اعتراض و احتجاج نہیں کرتا' اسے بھی موجودہ معاشرے کے گنہگاروں کی جماعت میں بہر حال شامل ہونا ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبر اسلام کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس انتظار میں سکوت اختیار کئے رہتا ہے کہ دوسرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور اس طرح لوگ ایک دوسرے کا انتظار ہی کرتے رہ گئے اور کسی نے ظلم و ناانصافی اور فساد و بد عنوانی کے خلاف انقلاب برپا نہ کیا تو سب لوگوں کو عذاب الٰہی کے لئے منتظر اور آمادہ رہنا چاہئے۔ آخر اس عذاب الٰہی کا مطلب کیا ہے؟ کیا ان لوگوں کے اوپر آسمان سے کوئی پتھر آگرے گا؟! جی نہیں' بلکہ قرآن مجید میں عذاب الٰہی کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

قل هو القادر علی ان یبعث

علیکم عذاباً من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم بأس بعض۔

یعنی کہہ دو کہ خداوند عالم قادر ہے "تم لوگ اس کے عذاب سے ڈرو۔ خداوند عالم قدرت رکھتا ہے کہ تم لوگوں کے سروں پر عذاب نازل کردے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے عذاب رونما کردے اور یا تم لوگوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کردے اور تم لوگ خود ہی ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے لگو یعنی ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑ جاؤ۔

اہل بیت علیہم السلام اپنی روایات میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عذاب بالائے سر سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے سے بڑوں کے ذریعہ عذاب سے دوچار ہوگے اور پیروں کے نیچے سے عذاب کا مطلب ہے کہ تم کو اپنے سے پست اور نچلے طبقے کے لوگوں کے ہاتھوں عذاب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کردیں تو انہیں اس بات کے لئے منتظر رہنا چاہئے کہ عذاب خداوندی ان کے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ بھی ایک دوسری معتبر حدیث میں جس کو شیعہ علماء نے اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے نیک اور صالح لوگ خداوند عالم کی بارگاہ میں نالہ و فریاد کریں گے لیکن خداوند عالم ان لوگوں کی دعاؤں کو مستجاب نہیں کرے گا۔ معلوم ہوا کہ جو قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کردیتی ہے وہ خداوند عالم کی رحمتوں سے محروم ہوجاتی ہے لہذا وہ چاہے جتنی دعائیں کریں ان کے گناہوں کی وجہ سے وہ دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔ غزالی نے اس آیہ کریمہ کا نہایت لطیف مفہوم بیان کیا ہے اگرچہ وہ ایک مرد درویش تھے اور سماجی امور و مسائل میں ان کی خاص دلچسپی بھی نہیں رہی پھر بھی وہ "**فید عوا**

اصول کافی جیسی کتاب میں اور غزالی جیسے سنی عالم دین نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے' یہ منقول ہے۔ "**لتأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر اویسلطن اللہ علیکم شرارکم فیدعوا اخیارکم فلا یستجاب لہم۔**" یعنی تم لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی باقاعدہ پیروی کرنی چاہئے اور یہ دونوں چیزیں تم لوگوں کے درمیان موجود رہنی چاہئیں ورنہ برے لوگ تم پر مسلط ہوجائیں گے۔ اس طرح کہ تمہارے نیک لوگ تمہیں آواز دیں گے لیکن تم انہیں جواب نہ دے سکو گے۔ شیعہ علماء کی حدیثوں میں اکثر اس کا مطلب **خیارکم فلا یستجاب لہم** "کا مفہوم و مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ خداوند عالم کو پکارتے ہیں لیکن خدا ان کی دعاؤں کو درجہ' قبولیت نہیں دیتا بلکہ اس کا حقیقی مفہوم و مطلب یہ ہے کہ جو معاشرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے اس معاشرہ کے لوگ اتنے ذلیل اور پست اخلاق ہوجاتے ہیں اور ان کا رعب و دبدبہ اور وقار و احترام اس حد تک ختم ہوجاتا ہے کہ وہ چاہے جتنی فریاد کریں ان کی طرف کوئی پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔

یعنی پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم صاحب عزت واحترام رہنا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ تمہاری عزت و حیثیت کو نگاہ میں رکھیں تو تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں دشمن کو بھی تمہارا خیال رہتا ہے لیکن جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تمہارا کوئی سروکار نہ ہوگا تو اس کا سب سے پہلا اثر تمہاری کمزوری کی صورت میں ظاہر ہوگا، اس کے بعد تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا اور دشمن کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہ ہوگی اور اس وقت تم ایک زر خرید غلام کی مانند چاہے جتنا گڑگڑاتے رہو کوئی تمہاری طرف پلٹ کر نہیں دیکھے گا۔

جی ہاں! اسلام ایسے قطعی اور عظیم اصول کا حامل ہے اور ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام" اسلام کے اسی بنیادی اصول کی پیروی کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ "بفرض محال اگر کوفہ والے مجھے مدعو نہ کرتے اور یزیدی حکومت مجھ سے بیعت کا مطالبہ نہ کرتی تو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے بنیادی اصول کے مطابق ہرگز خاموش نہ بیٹھا رہتا۔"

جی ہاں! اسلام ایسے قطعی اور عظیم اصول کا حامل ہے اور ابا عبداللہ الحسین علیہ السلا اسلام کے اسی بنیادی اصول کی پیروی کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ "بفرض محال اگر کوفہ والے مجھے مدعو نہ کرتے اور یزیدی حکومت مجھ سے بیعت کا مطالبہ نہ کرتی تو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے بنیادی اصول کے مطابق ہرگز خاموش نہ بیٹھا رہتا۔"